خانقاہ چشتیہ صابریہ کا اصلاحی و دعوتی ترجمان

سہ ماہی

صدائے قطبِ دکن

حیدرآباد

جنوری، فروری، مارچ سنہ ۲۰۲۳ء

سرپرست

فرید وقت جانشین قطب دکن

حضرت مولانا شاہ محمد **نورالحق** قریشی قاسمی دامت برکاتہم

مُدیر

محمد فضیل قریشی

قطب دکن اکیڈمی حیدرآباد

خانقاہ چشتیہ صابریہ یوسف گوڑہ حیدرآباد

خانقاہِ چشتیہ صابریہ کا اصلاحی و دعوتی ترجمان

سہ ماہی

صدائے قطبِ دکن حیدرآباد

جنوری، فروری، مارچ سنہ ۲۰۲۳ء

سرپرست

فریدِ وقت جانشینِ قطبِ دکن

حضرت مولانا شاہ محمد نور الحق قریشی قاسمی دامت برکاتہم

مدیر

محمد فضیل قریشی

قطبِ دکن اکیڈمی حیدرآباد

خانقاہِ چشتیہ صابریہ یوسف گوڑ، حیدرآباد

فہرست مضامین

مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
درسِ قرآن	مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی	۴
درسِ حدیث	مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی	۶
سیرت (قسط نمبر: ۳)	حافظ محمد سفیان قریشی	۹
حیات قطبِ دکن (قسط نمبر: ۳)	مولانا سعید الحق صاحب قریشی	۱۵
وساوس کی طرف متوجہ نہ ہونے کی تعلیم	مولانا شاہ محمد عبد الغفور قریشی نور اللہ مرقدہٗ	۲۰
آزادئ نسواں کا فریب	محمد فضیل قریشی	۲۲
بدعت کی حقیقت قرآن وحدیث کی روشنی میں	شیخ عتیق قاسمی پورنوی	۲۶

❑❖❑

سلسلہ وار (ماخوذ از: ہدایت القرآن)

درسِ قرآن

از قلم:
مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

﴿اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۙ﴾ (سورۂ فیل، پارہ: ۳۰)

ترجمہ: کیا آپ نے دیکھا نہیں: آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ کیا ان کی چال کو گاؤ خورد نہیں کر دیا؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے، جو ان کو مٹی کے کنکروں سے مارتے تھے، پس ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر کے رکھ دیا۔

تفسیر: اِس سورت میں گھاٹے میں رہنے والوں کی دوسری مثال ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اقتدار کے نشہ میں چُور ہیں، اور قوموں کو اور ملکوں کو سکون سے سونے نہیں دیتے، ان کا انجام بھی بھیانک ہے، ایک دن ان کا بھُرتا بنایا جائے گا، وہ بُری طرح تباہ ہوں گے، جیسے ہاتھی والوں کا حال ہوا۔

جو لوگ اقتدار کے نشہ میں تخریب کاری کرتے ہیں وہ بھی گھاٹے میں رہیں گے

حبشہ والوں کی طرف سے یمن میں ابرہہ نامی حاکم مقرر تھا، یہ لوگ عیسائی تھے، اس

نے یمن کے شہر صنعاء میں ایک شاندار گرجا بنایا؛ تاکہ اس کو ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ :لوگوں کا مرکز (البقرۃ:۱۲۵) بنائے، اور عربوں کو کعبہ شریف سے پھیر دے، ایک قریشی نے اس گرجا میں غلاظت کر دی، جس سے ابرہہ کا پارہ چڑھ گیا، وہ لشکر جرّار لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لیے بڑھا، خود ہاتھی پر سوار تھا؛ تاکہ اس کا رعب پڑے، جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو مکہ کے سردار عبدالمطلب کو بلایا، اور کہا: میں صرف کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں، پس جو مزاحم نہیں ہوگا اس کو قتل نہیں کروں گا، عبدالمطلب نے سرداروں کے ساتھ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی اور کعبہ کو اس کے رب کے حوالے کیا اور شہر خالی کر دیا، پس ہاتھی والے مکہ کی طرف بڑھے، ابھی حرم میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ سمندر کی طرف سے غول کے غول پرندے آئے، جن کی چونچوں اور پنجوں میں مٹی کے کنکر تھے، وہ فوج پر برسانے شروع کیے، وہ گولیوں کا کام کرنے لگے، اور سب کھیت رہے، جو بچ نکلا وہ بھی طرح طرح کی تکلیفوں سے ہلاک ہوا، یہ واقعہ نبی ﷺ کی ولادتِ مبارکہ سے کل پچاس دن پہلے پیش آیا ہے؛ اِس لیے نبوت کے زمانہ میں یہ واقعہ لوگوں کا آنکھوں دیکھا واقعہ تھا۔

❑❖❑

درسِ حدیث

اِس دَور میں نجات کا واحد راستہ

اتباعِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

از قلم:
مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَاةِ، فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ! هٰذِهِ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ. فَسَكَتَ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَيَّرُ، فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ أَمَا تَرٰى مَا بِوَجْهِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ عُمَرُ إِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَمِنْ غَضَبِ رَسُوْلِهِ رَضِيْنَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْناً وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَالَكُمْ مُوسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِيْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَأَدْرَكَ نُبُوَّتِيْ لَاتَّبَعَنِيْ.

(رواه الدارمي)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! یہ تورات کا ایک نسخہ ہے،

رسول اللہ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا (زبانِ مبارک سے کچھ ارشاد نہیں فرمایا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا (اور حضور ﷺ کو سنانا) شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے رہے اور حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کے تغیر سے بے خبر رہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (جو مجلس میں حاضر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا اور) فرمایا: ''ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ'' حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کی کیفیت تم نہیں دیکھ رہے ہو! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف نظر کی اور فوراً بولے: اللہ کی پناہ! اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول کے غصہ سے ہم (دل وجان سے) راضی ہیں، اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور حضرت محمد ﷺ کو نبی ورسول مان کر، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس خداوندِ عالم کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے! اگر (اللہ کے پیغمبر) موسیٰ (اس دنیا میں) تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی اختیار کر لو تو راہِ حق اور صحیح راستہ سے بھٹک جاؤ گے اور گمراہ ہو جاؤ گے اور (سنو) اگر (اللہ کے نبی) موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے (اور میری لائی ہوئی شریعت ہی پر چلتے)۔

(مسند دارمی)

تشریح:

''نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ'' کا مطلب ہے تورات کے عربی ترجمہ کا کوئی جز اور کچھ اَوراق۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی ناگواری اور چہرۂ مبارک پر اس کے اثر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے جو جملہ فرمایا ''ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ'' اس کا لفظی ترجمہ ہے ''رونے والیاں تجھ کو روئیں''، جب اظہارِ ناراضگی کے موقع پر یہ جملہ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب صرف ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے، لفظی معنیٰ مراد

نہیں ہوتے، ہر زبان میں ایسے محاورے ہوتے ہیں، مقصد صرف ناراضگی اور غصہ کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر حضور ﷺ کی ناراضگی و ناگواری کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ''خاتم الکتب'' قرآن مجید اور ''خاتم الانبیاء'' حضرت محمد ﷺ کی ہدایت وتعلیم کے بعد بھی تورات یا کسی قدیمی صحیفہ سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے؛ حالانکہ قرآن اور تعلیم محمدی نے معرفتِ الٰہی اور ہدایت کے باب میں ہر دوسری چیز سے مستغنی کر دیا ہے، اگلی کتابوں اور انبیاءِ سابقین کے صحیفوں میں جو ایسے حقائق اور مضامین واحکام تھے، جن کی بنی آدم کو ہمیشہ ضرورت رہے گی وہ سب قرآن مجید میں محفوظ کر دیے گئے ہیں ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ جو قرآنِ پاک کی صفت ہے، اس کا مطلب یہی ہے؛ نیز تورات اور دوسرے پچھلے صحیفوں کا دَور ختم ہو چکا ہے، نزولِ قرآن اور بعثتِ محمدیؐ کے بعد نجات اور رضائے الٰہی کا حصول، انہی کے اتباع پر موقوف ہے، اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے آپ ﷺ نے قسم کھا کے فرمایا کہ اگر بالفرض آج صاحبِ تورات موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوکر اس دنیا میں تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے اور میری لائی ہوئی ہدایت وتعلیم کو چھوڑ کے ان کی پیروی اختیار کرلو، تو تم راہ یاب نہیں ہوگے؛ بلکہ گمراہ اور راہِ حق سے دُور ہوجاؤ گے۔ اس حقیقت پر اور زیادہ روشنی ڈالتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت ورسالت کا یہ دَور پاتے تو وہ خود بھی اسی ہدایتِ الٰہی اور اسی شریعت کا اتباع کرتے جو میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اور اس طرح میری اقتدا اور میری پیروی کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ آپ ﷺ کے اخص الخواص اصحاب میں سے تھے؛ اِس لیے ان کی یہ ذرا سی لغزش بھی حضور ﷺ کے لیے ناگواری کا باعث ہوئی۔

❑❖❑

قسط نمبر (۳)

سیرتِ نبوی ﷺ کی گوناگوں خصوصیات

ازقلم:
حافظ محمد سفیان قریشی

بعثت ونبوت

جب آنحضرت ﷺ کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اُوپر ہوا تو ۹ ربیع الاوّل ۴۱ رمیلادی (مطابق ۱۲ رفروری ۶۱۹ء) کو بروز دوشنبہ روح الامین اللہ کا حکم نبوت لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، اس وقت آنحضرت ﷺ غارِ حرا میں تھے۔

روح نے کہا: محمدؐ! بشارت قبول فرمایئے، آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور مَیں جبریل ہوں۔

اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ فوراً گھر میں آئے اور لیٹ گئے، بیوی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو، جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ مَیں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی شہادت

آنحضرت ﷺ کے اعلیٰ اخلاق پر

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں! آپ ﷺ کو ڈر کس بات کا ہے، مَیں دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ اقرباء پر شفقت فرماتے، سچ بولتے، بیواؤں، یتیموں، بے کسوں کی دستگیری کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں، اللہ آپ ﷺ کو کبھی رسوانہ کرے گا۔

اب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو خود بھی اپنے اطمینانِ قلب کی ضرورت ہوئی؛ اِس لیے وہ نبی ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے رشتے کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔

بعثتِ محمدی ﷺ کے قریب عرب میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو علمائے یہود ونصاریٰ سے بہت سی معلومات کا استفادہ کر چکے تھے اور دین جاہلیت کو چھوڑ کر یہ خبریں دیا کرتے تھے کہ عنقریب رسول ظاہر ہونے والا ہے جو ابلیس اور اس کے لشکروں پر غالب ہوگا، ان اشخاص میں عثمان بن حریث، عبید، زید بن عمرو اور ورقہ بن نوفل کے نام خصوصیت سے مشہور ہیں۔

زید بن عمرو جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چچا تھے، وہ بزرگوار ہیں جنھوں نے رسول موعود کی تلاش میں دُور دُور سفر کیے تھے اور آخر یہ معلوم کر کے کہ وہ مکہ میں پیدا ہوں گے اسی مبارک انتظار میں رہ کر انتقال کر چکے تھے۔

عیسائی عالم ورقہ بن نوفل کی شہادت
آنحضرت ﷺ کی نبوت پر

الغرض حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر نبی ﷺ نے ورقہ بن نوفل کے سامنے جبریل علیہ السلام کے آنے اور بات کرنے کا واقعہ بیان فرمایا، وہ جھٹ بول اُٹھے، یہی ہے وہ ناموس جو موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا، کاش! مَیں جوان ہوتا، کاش! مَیں اس وقت تک زندہ رہتا جب قوم آپ ﷺ کو نکال دے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بولے: ہاں! اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی، اس سے (شروع میں) عداوت ہی ہوتی رہی، کاش! مَیں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور ﷺ کی نمایاں خدمت کر سکوں۔

ابتداءِ نزولِ قرآن

کچھ دنوں بعد فرشتہ پھر آیا اور نبی ﷺ کو جنھوں نے اب تک لکھنا پڑھنا نہ سیکھا تھا،

اللہ کا وہ پاک نام اور پاک کلام پڑھا یا جو سارے علموں کی کنجی اور ساری حقیقتوں کا خزانہ ہے، روح الامین نے ان آیات کو پڑھا تھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴾ (العلق:۱-۵)

شروع ہے اللہ کے نام سے جو کمالِ رحمت اور نہایت رحم والا ہے

''پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا (ہاں) پڑھتا چلا جا۔ تیرا پروردگار تو بہت کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ (جس نے) انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا''۔

نماز کا آغاز

اس کے بعد روح الامین نبی ﷺ کو دامنِ کوہ میں لے آئے۔ نبی ﷺ کے سامنے خود وضو کیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی وضو کیا، پھر دونوں نے مل کر نماز پڑھی، روح الامین نے نماز پڑھائی۔

تبلیغ کا آغاز

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر پہنچ کر تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بیوی) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بھائی) عمر آٹھ سال، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دوست)، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مولیٰ) پہلے ہی دن مسلمان ہو گئے۔ ان اشخاص کا ایمان لانا جو آنحضرت ﷺ کی چالیس سالہ ذرا ذرا سی حرکات وسکنات تک سے واقف تھے، نبی ﷺ کی اعلیٰ صداقت اور راست بازی کی قوی

دلیل ہے۔ بلال، عمرو بن عنبسہ، خالد بن سعد اور ابنِ عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی چند روز کے بعد ہی مسلمان ہو گئے۔

سابقین اوّلین کے مختصر نام

ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے، تجارت کرتے تھے، مکہ میں ان کی دوکان تھی، لوگوں سے ان کا بہت میل ملاپ تھا، ان کی تبلیغ سے عثمان غنی، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسلمان ہوئے، پھر ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا لقب بعد میں ''امین الامت'' ہوا، عبدالاسد بن بلال، عثمان بن مظعون، عامر بن فہیرہ ازدی، ابوحذیفہ بن عتبہ، سائب بن عثمان بن مظعون اور ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسلمان ہوئے۔ عورتوں میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اُمّ المؤمنین کے بعد نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی اُمّ الفضل، اسماء بنتِ عمیس، اسماء بنتِ ابوبکر اور فاطمہ خواہر (بہن) عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین نے اسلام قبول کیا۔

پہاڑ کی گھاٹیوں پر نماز

ان دنوں مسلمان پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نبوت کے ابتدائی تین سال تک لوگوں کو چپکے چپکے سمجھایا کرتے تھے اور پتھروں، درختوں اور چاند سورج کی پوجا سے ہٹا کر اللہ کی بندگی سکھایا کرتے تھے، اب اللہ کا حکم پہنچا:

علانیہ تبلیغ کا حکم

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝﴾

(المدثر:۱-۷)

''اے درست کرنے والے (عالم کے) اُٹھو! گندے اعمال والوں کو) ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بزرگی کو پھیلاؤ اور پاک دامنی اختیار کرو۔ (مخلوق پرستی کی) نجاست سے علیٰحدگی اختیار کرو۔ احسان اس نیت سے نہ کرو کہ لوگوں سے اس کا فائدہ حاصل کیا جائے، اپنے پروردگار کے لیے رسالت کرتے ہوئے ہر ایک امتحان اور تکلیف میں استقلال رکھو''۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے:

نبی ﷺ کی نبوت کا مقصد

- نافرمانوں کو ان کی خطرناک حالت سے آگاہ کرنا اور انجام سے ڈرانا۔
- اللہ کی ربوبیت و کبریائی اور عظمت و جلال کا آشکارا کرنا۔
- لوگوں کو اعتقاد، اعمال اور اخلاق کی ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک رہنے کی تعلیم دینا۔
- پاکیزگی، صفائی اور پاک دامنی سکھانا۔
- الٰہی تعلیم مفت دینا، نہ ان پر احسان جتانا، نہ ان سے اپنے کسی فائدے کی توقع رکھنا۔
- اس کام میں جس قدر بھی مصائب اور شدائد جھیلنی پڑیں سب کو برداشت کرنا۔

جو شخص نبی ﷺ کی پاک زندگی کے حالات پر غور کرلے گا اُسے معلوم ہوجائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے کیسی خوبی سے ان سب مقاصد کو پورا کیا، نبی ﷺ کی تبلیغ کا کام بمدارج ذیل آہستہ آہستہ وسعت پکڑتا رہا:

تبلیغ کے پنج گانہ مراتب

اوّل: قریب کے رشتہ داروں اور خاص خاص احباب۔

دوم: قوم اور شہر کے سب لوگ۔

سوم: مکہ کے اَطراف وجوانب کے قبیلے۔

چہارم: عرب کے جملہ حصص اور قبائل۔

پنجم: دنیا کی جملہ متمدن اقوام اور جملہ مشہور مذاہب۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تبلیغ کے لیے نہایت استحکام، کمالِ استقلال اور کشادہ پیشانی ونزہتِ خاطر سے ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے میں ثابت قدمی فرمائی تھی اور اپنی تعلیم کو دلائل بیّن اور براہین محکم سے ثابت کر دکھایا تھا۔

(جاری.....)

❑❖❑

قسط نمبر (۳)

حیات قطبِ دکنؒ

از:

مولانا سعید الحق صاحب قریشی

خاندانِ قطب دکنؒ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً کم وبیش ایک لاکھ صحابہؓ سے خطاب فرمایا، اسلام کے احکام پر مضبوطی سے جمے رہنے کی ہدایت دی، جہاں بہت سی باتوں کی طرف آپؐ نے توجہ دلائی وہیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بھی فرمایا تھا کہ لوگو! قیامت کے دن میرے متعلق تم سے دریافت کیا جائے گا مجھے بتلاؤ تم کیا جواب دو گے؟ تو بیک زبان سب نے کہا: ہم اِس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے احکام ہم تک پہونچادیے، آپؐ نے رسالت ونبوت کا حق ادا کردیا، آپؐ نے ہم کو کھوٹے کھرے کے متعلق اچھی طرح بتلادیا، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اُٹھاتے اور لوگوں کی طرف اس کو جھکاتے اور فرماتے تھے: اے اللہ! سن لے تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں، اے اللہ! گواہ رہنا کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں؟ اے اللہ! شاہد رہنا یہ لوگ کیسا صاف اقرار کررہے ہیں، اس کے بعد آپؐ نے پھر لوگوں سے فرمایا: ''فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ'' جو لوگ یہاں موجود ہیں میرے پیغام کو ان لوگوں تک پہونچادینا جو یہاں موجود نہیں ہیں، ہوسکتا ہے بعض سننے والے لوگ اس کلام کو زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تکمیل کے لیے اور دنیا کے کونے کونے تک اسلام کی اشاعت کے لیے قبائلِ عرب؛ عرب سے ہجرت کرنے لگے، کسی نے مشرق کا

رُخ کیا، کسی نے مغرب کا، کسی نے شمال کا، تو کسی نے جنوب کا، اِس طرح امتِ محمدیہؐ نے تبلیغِ دین کو اپنا فریضۂ زندگی بنالیا اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔

ان قبائل میں قبیلۂ قریش نے بھی ہجرت کی اور ہجرت کر کے یہ مدینہ منورہ پہونچا، پھر مدینہ منورہ سے نکل کر یہ قبیلہ ملتان پہونچا اور اس مقام کو تبلیغِ دین کے لیے منتخب کیا اور برسوں تک نسل در نسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ''فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ'' کی تعمیل میں لگے رہے، ملتان کے مشہور بزرگ حضرت شاہ بہاءالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ انہی کی نسل میں سے ہیں۔

ہندوستان میں آمد

ایک طویل عرصہ تک ملتان میں قیام کرنے کے بعد یہ قبیلہ راجپور (اُتر پردیش) میں قیام پذیر ہوا۔ حضرت مولانا شاہ ضیاءالحق صاحب رکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند اسی خاندان کے ایک ممتاز عالمِ دین تھے۔

اودگیر میں قیام

راجپور اُتر پردیش سے ہوکر یہ خاندان ورنگل (تلنگانہ) پہونچا، پھر وہاں سے حضرت قطبِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کے پڑدادا مولوی محمد اسماعیل قریشی اودگیر تشریف لے آئے، آپ حکومتِ نظام میں تلوار بازی، نیزہ بازی، پھیر پٹے وغیرہ کے انتہائی باکمال اور بہترین استاذ سمجھے جاتے تھے اور اودگیر میں آپ کو فوجی تربیت کے لیے کچھ زمین بھی عطا کی گئی تھی، جہاں پر وہ ہتھیار چلانے کی ٹریننگ دیا کرتے تھے۔

خداوندِ عالم نے رسالت کے فرائض کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ﴾

(سورۂ بقرہ، پارہ:۱، آیت:۱۲۹)

تعلیم اور تزکیۂ نفوس یہ نبوت کے خاص فرائض میں داخل ہے، اِسی طرح رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَنَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا'' میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

علم؛ اللہ کی صفت ہے، اللہ کی ذات ازلی؛ تو اُس کی صفت بھی ازلی ہے، اس صفتِ علم کا کچھ حصہ اللہ نے اپنی مخلوق کو بھی عطا کیا ہے، علم سے انسان کو متصف کرنے کی غرض عمدہ صفات، حسنِ اخلاق اور سیرت و کردار میں خوبی پیدا کرنا ہے، اللہ نے اپنی صفت کا پرتو انسان میں اس لیے رکھا ہے؛ تاکہ ''تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللهِ'' والی حدیث پر عمل درآمد ہو سکے اور بندہ اپنے اندر بھی کمال پیدا کرے، حضرت آدم علیہ السلام کو جو برتری اور خصوصیت دی گئی اس کی وجہ بھی علم ہی ہے، انسان کے اندر جتنا علم ہوتا ہے اتنا ہی وہ با اخلاق ہوتا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے علمِ وحی سے نوازا، تو وہ ساری انسانیت کے لیے نمونہ ثابت ہوئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی جب علمِ الٰہی اور علمِ نبوی سے سرشار ہوئے تو ان کی زندگیوں میں ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا، وہ بھی رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے اُسوہ اور نمونہ ثابت ہوئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ دین اپنے اندر ایک خاص انقلابی صلاحیت رکھتا ہے۔

قطبِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کو بھی پروردگار نے یہ نعمت عطا فرمائی کہ آپ کے خاندان میں صدیوں سے علماء وصوفیاء پیدا ہوتے رہے اور اپنے اپنے وقت کے مینارۂ نُور ثابت ہوئے، حضرت قطبِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ محترم میرے دادا مولوی محمد عبدالرحمٰن قریشیؒ فرمایا کرتے تھے: ہمارے خاندان میں علمِ نبوت سے عشق چلا آرہا ہے، دادا حضرتؒ کی یہ بات صد فی صد درست ہے اور آج بھی اس خاندان کی پہچان ہی علمِ دین ہے۔

سعادت مندی

قطبِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کے دادا اور مولوی محمد اسماعیل قریشی کے اکلوتے فرزند

حضرت مولانا قاسم صاحب قریشی نے نو(۹) سال کی عمر میں جب ناظرہ قرآن شریف ختم فرمایا تو آپ کے والد محمد اسماعیل صاحب قریشی نے اس خوشی کے موقع پر اعزّاء واقرباء اور رشتہ داروں کی دعوت کی، اس وقت تمام حاضرین نے معصوم بچہ کی گود میں ہدیہ کے طور پر روپیے ڈال دیے، جس سے آپ کی گود روپیوں سے بھر گئی، سعادت مند بچہ نے وہ تمام روپیے اپنے استاذ کی گود میں ڈال دیے، استاذِ محترم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا استاذ محترم یہ سب آپ کا حق ہے۔

مولوی محمد اسماعیل قریشی کی اولادیں

مولوی محمد اسماعیل قریشی کو نو(۹) صاحبزادیاں تھیں، جن میں سے ایک کا نام روشن بی(۱) تھا باقی آٹھ لڑکیوں کی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی اور صرف ایک صاحبزادے محمد قاسم صاحب قریشی تھے، جو نہایت خوبصورت اور خوب سیرت تھے، نو(۹) پشتوں سے صرف ایک ہی لڑکا خاندان میں ہوتا آیا تھا؛ البتہ لڑکیاں کئی ہوا کرتی تھیں؛ لیکن مولانا قاسم قریشی کے صاحبزادے مولوی محمد عبدالرحمٰن قریشی کو خدا تعالیٰ نے یہ شرف بخشا کہ آپ کے دس لڑکے ہوئے، جن میں سے اسحاق قریشی ان کا دو سال کی عمر میں اور الیاس قریشی ان کا دس سال کی عمر میں اور یونس قریشی ان کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، باقی سات لڑکے (۱) مولوی محمد قاسم قریشی سیول جج (۲) قطبِ دکن مولانا محمد عبدالغفور قریشی (۳) حکیم محمد اسحاق قریشی (۴) مولانا محمد عاصم قریشی (۵) محمد ادریس قریشی (۶) محمد رشید قریشی (۷) محمود قریشی بقید حیات رہے۔

اور پانچ صاحبزادیاں ہوئیں، جن میں سے امۃ العزیز ان کا تیرہ سال کی عمر میں اور امۃ النور ان کا ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا؛ البتہ بقیہ تین (۱) امۃ الحبیب (۲) امۃ اللہ (۳) امۃ العزیز بقید حیات رہیں۔

(۱) جواودگیر کے قریب لوہارے میں بیاہی گئیں۔

سفرِ آخرت

۱۸۹۷ء مطابق ۱۳۱۷ھ کو حضرت قطبِ دکنؒ کے پڑدادا مولوی محمد اسماعیل قریشی اس دارِفانی سے دارِبقا کی طرف کوچ کر گئے، احاطۂ مسجد بیگ جی اودگیر میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(جاری.....)

وساوس کی طرف متوجہ نہ ہونے کی تعلیم

از:

قطبِ دکن

مولانا شاہ محمد عبدالغفور قریشی نوراللہ مرقدہٗ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أَحَدَنَا يَجِدُ فِيْ نَفْسِه مَالَاَنْ يَّحْتَرِقَ حَتّٰى يَصِيْرَ حَمَمَةً أَوْيَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّتَكَلَّمَ بِه، قَالَ: ذٰلِكَ مَحْضُ الْإِيْمَانِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں سے بعض بعض اپنے دل میں ایسے وساوس پاتا ہے کہ اگر جل کر کوئیلہ ہوجائے یا آسمان سے زمین پر گرجائے یہ زیادہ گوارا ہے اس سے کہ وسوسہ کو زبان پر لائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ خالص ایمان کی علامت ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

خطرات ووساوس کے دفع میں تندہی ومبالغہ کرنا یا اس کے حزن میں مبتلا ہوجانا، سالک کو پریشان کرتا ہے، محققین اسی حدیث کے موافق اس کا یہی علاج کرتے ہیں کہ اس کا غیر مضر ہونا سمجھا کر اس کو بے فکر کردیتے ہیں اور اس سے معاً دفع بھی ہوجاتا ہے۔

وضاحت: وسوسہ، بے بنیاد، بے قصد وارادہ، فضول بُرے خیالات دل میں آتے ہیں اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔ آدمی ان بُرے خیالات کو ایمان کے خلاف اور بے کار سمجھ کر مٹانا بھی چاہے تو وہ آتے ہی رہتے ہیں، جس سے آدمی پریشان ہوجاتا ہے۔ اللہ کی طرف ارادہ باندھتے وقت سالک طالب کو ایسے وساوس ارادہ باندھنے نہیں دیتے جس سے سالک پریشان ہوجاتا ہے، لاکھ ہٹانا چاہے؛ مگر وہ زیادہ بڑھتے ہیں۔ اس وسوسے میں انسان کا ارادہ نہیں ہوتا۔ اللہ

تعالیٰ اس وسوسہ کے بارے میں فرماتے ہیں: خناس شیطان انسان کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو پریشان کرے، اگر وار چل جائے تو وہ اس وسوسہ کو گمان اور یقین کے درجے میں لالے اور برباد کردے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کو بہت غلط جانے اور اس قدر ڈر گئے کہ زبان پر لانے سے بہتر ہے کہ کوئیلہ ہوجائیں۔ جیسے اللہ کے بارے میں اللہ پر کامل یقین رکھتے ہوئے اللہ سے کامل دل ملائے ہوئے اللہ کے بارے میں بُرے وسوسے، یارسول کے بارے میں ایمان رکھتے ہوئے بُرے وسوسے، یااللہ والوں یاعام نیک بندوں یااجنبی مرد وعورت کے بارے میں وسوسے گناہ کے خیالات بلاوجہ آئیں۔

حضور ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے وسوسوں کے بارے میں حد درجہ ڈرنے کو محض ایمان قرار دیا؛ کیونکہ ڈرنا ایمان ہے؛ تاکہ آدمی خوف کو نکال دے اور اس کو جگہ نہ دے؛ بلکہ تعلق مع اللہ میں مضبوط رہے۔

سالکین اور طالبین کو ابتداء میں یہ وسوسے ستاتے ہیں، توجہ الی اللہ کے جمانے میں آڑ بنتے ہیں؛ اِس لیے پیرانِ طریقت نے اس کا علاج بتلایا ہے کہ وساوس کی طرف دھیان نہ دینا چاہیے، آتے ہیں آنے دیں، جاتے ہیں ان کو راہ دے دیں، روکنے کی کوشش نہ کرے۔ بے قدری کرنے سے وساوس اپنے ہی آپ رُک جائیں گے، اِس کی طرف روکنے کی کوشش کریں تو ان کو اہمیت دینا ہوگا وہ اور بڑھیں گے، جب اس کی طرف دھیان ہی نہ دیں تو قدر ومنزلت نہ ہونے سے اپنے ہی آپ دُور ہوجائیں گے، اپنی محنت کو توجہ الی اللہ میں رکھیں تو توجہ کی قوت بڑھنے سے اب وساوس کے آنے کی گنجائش نہیں رہے گی۔ دل مضبوط سے مضبوط تر ہوجائے گا، یہاں تک کہ غیر کا خطرہ خطور نہ کرے گا، چاہے ایسے سالک کو ہزار برس کی عمر کیوں نہ دی جائے۔ یہ تو طالبین کے ابتدائی حال کا حال ہے، منتہیوں کو وسوسہ ہو تو وہ ارادی طاقت سے اس کو فوراً ہٹادیتے ہیں اور لایعنی سمجھ کر نہ اثر لیتے ہیں اور نہ بڑھنے دیتے ہیں۔ وساوس میں چونکہ ارادہ نہیں ہوتا؛ اِس لیے یہ گناہ نہیں ہیں۔

❑❖❑

آزادیٔ نسواں کا فریب

از: قلم
محمد فضیل قریشی

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، أَمَّا بَعْدُ!

مغربی سوچ اور کلچر سے متاثر اذہان میں بڑی شدت کے ساتھ یہ اشکال دیکھا جارہا ہے کہ اسلام میں عورتوں اور خواتین کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہمیشہ پردے میں رہ کر خواتین گھٹن اور حبس کا شکار ہوتی رہتی ہیں، یہ محض ایک پروپیگنڈہ ہے جس کا دُور دُور تک حقیقت سے کوئی سروکار نہیں۔

دنیا میں رہائش پذیر اقوام کی تاریخ سے واقف اور گہرائی کے ساتھ اس کا علم رکھنے والے افراد یہ جانتے ہیں کہ اسلام نے حقوقِ نسواں کی بات اس وقت اُٹھائی اور انھیں آزاد کرنے کی صدا لگائی جس وقت عورتیں سرِ عام منڈیوں میں بِکا کرتی تھیں، انسان کی نظر میں سب سے کم تر اگر کوئی ذات تھی تو وہ عورت ہی تھی، قرآنِ کریم نے اس کا منظر کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۝﴾

''جب انھیں خبر دی جاتی (پیدا ہونے والی) لڑکی کی تو چہرہ سیاہ ہوجاتا اور وہ غصے سے بھر جاتا''۔

اسی پر بس نہیں، آگے فرمایا:

﴿يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ﴾

''قوم سے چھپتا پھرتا (اپنے ذہن کے مطابق) اس بُری خبر کی وجہ سے جو اس کو دی گئی''۔

قرآنِ کریم نے صدیوں پہلے یہ بات کہی ہے؛ لیکن آج بھی معاملہ یہی ہے اقوامِ

عالَم اپنے اس گھناؤنے عمل کو سونے چاندی کے ورق میں لپیٹ کر اور سجا کر دنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں؛ تاکہ اندر چھپی ہوئی غلاظت کو ظاہری زینت کے ذریعہ انجام دیا جاسکے۔

ہم کو یہاں یہ دیکھنا ہے کہ کس حد تک یہ بات قابلِ قبول ہوسکتی ہے، کیا مساوات کا مطلب یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں کو یکساں کام سپرد کیے جائیں یا وہ کام جو ان کی صنف کے مناسب ہیں اُن پر لازم کیے جائیں۔

پہلی صورت تو کسی بھی اعتبار سے ایک ذی شعور کے لیے قابلِ اعتناء نہیں ہوسکتی؛ اِس لیے کہ ہر شخص جانتا ہے عورتیں وہ تمام اُمور نہیں انجام دے سکتیں جو ایک مرد برداشت کرسکتا ہے؛ لہٰذا اب رہ گئی صرف دوسری صورت یعنی مرد وعورت میں سے ہر جنس کو وہی کام سپرد کیے جائیں جو ان کے لائق ومناسب ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ کون سا کام کس جنس کے لیے مناسب ہے؟ تو اس کا سیدھا اور درست جواب وہی ذات بتلائے گی جس نے ان کو وجود بخشا ہے، وہی ذات بتلائے گی کہ عورت کو کیوں پیدا کیا گیا، مرد کو کیوں پیدا کیا گیا؟ کیا عورتوں کو بھی مَردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے یا اپنے پیدائشی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان ہی اُمور کو انجام دینا چاہیے جس کے لیے ان کو وجود عطا کیا گیا۔ پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ براہِ راست پیدا کرنے والے سے اس پر گفتگو ناممکن ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے اس کا صرف ایک راستہ ہے وہ ہے وحیٔ الٰہی جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں تک پہونچتی ہے؛ لہٰذا ہم بھی اسی ذریعہ کو استعمال کرتے ہوئے نبی علیہ السلام کی تعلیمات کے ذریعہ اس کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

چنانچہ جب ہم نصوصِ قرآنی اور احادیثِ نبویہؐ پر نظر ڈالیں تو انسان کے لیے بنیادی طور پر دو شعبے نظر آتے ہیں اور وہ دونوں شعبے کمالِ زندگی کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ پہلا وہ حصہ جو گھریلو زندگی سے متعلق ہے اور دوسرا گھر کے باہر کے ماحول اور حالات سے تعلق رکھتا ہے اور کوئی انسان ان میں سے ایک پر اکتفا کیے بغیر متوازن زندگی گزارنے سے عاجز

ہوجاتا ہے۔ظاہر ہے گھر کا نظام اسی وقت چل سکتا ہے جب کسبِ معاش کے لیے ایک فرد خاص ہواور کسبِ معاش کی غرض بھی گھریلوانتظام کوایک معتدل روش پر چلانا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مَرد وعورت دونوں صنفوں کو ظاہری طور پر مختلف بنایا اور اپنے محبوب ﷺ کے ذریعہ سے ان کے درمیان تقسیم کار بھی رکھ دیا، کسبِ معاش، سیاسی وسماجی وغیرہ کام مَرد کے ذمہ اور تدبیر منزل نسلِ انسانی کی تربیت توالد وتناسل اور قوموں کو ابتدائی طور پر بنانے اور بگاڑنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

جسمانی اور فطری طور پر دیکھا جائے تو عورت ومرد دونوں کی ظاہری بناوٹ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے؛ چونکہ گھر کے باہر کے کام قوت اور طاقت طلب کرتے ہیں؛ لیکن گھریلو کام میں جسمانی طور پر قوت وطاقت ملحوظِ نظر نہیں رہتی؛ لہٰذا فطری اور تخلیقی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ مرد وعورت مختلف جنسوں کے لیے مختلف میدانِ کار ہیں اور یہ مختلف میدان ہر دوسرے کے لیے تکمیل اور متوازن زندگی کا ذریعہ ہیں۔

قرآنِ کریم نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ ''تم بیٹھی رہو اپنے گھروں میں''۔

آیتِ مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں اطمینان اور راحت کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو انجام دیں۔

لیکن مغربی معاشرہ نے ایک خوبصورت اور عیارانہ نعرہ آزادئ نسواں کے عنوان سے بڑے زور وشور کے ساتھ لگوایا اور خواتین کو اس طرح فریب دینے کی کوشش کی کہ تم کو مَردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے، اس کے بدلے تمہیں اتنا مال ملے گا اور فلاں فلاں مناصب تمہارے منتظر ہیں، یہ کہہ کر بھولے بھالے ذہنوں کو اس طرح مسموم کیا کہ اگر تم اپنے گھر میں اپنے باپ بھائی، شوہر اور دیگر اہلِ خانہ کے لیے کام کرو تو وہ غلامی، قید اور بے جا ظلم ہے؛ لیکن اگر اجنبی مَردوں کے لیے دسترخوان سجاؤ، اُن کے لیے آرام کی چیزیں مہیا کرو اور ان درندوں کی حریص نگاہوں کا شکار بنو، صرف چند سکوں کے لیے تو یہ تمہارے

لیے بڑا اعزاز ہے، فخر کی بات ہے، افسوس صد افسوس۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اس طرح کا اقدام اور تحریکیں کیوں کر چلائی جاتی ہیں؟ ان کے پیچھے کیا مقصد ہوتا ہے؟ تو بنیادی طور پر ہم کو دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں جو قوم عورتوں کو صرف پیر کی جوتی سمجھتی ہے وہ یہ چاہتی ہے کہ قدم قدم پر عورتوں سے لطف اندوزی حاصل کی جائے؛ اِس لیے کہ عورتیں صرف عیش وعشرت اور لبھانے کے لیے پیدا ہوئی ہیں اور دوسرا مقصد یہ ہوتا کہ قانونی طور پر جو عورت ان کے ماتحت زندگی گزار رہی ہے اس کا بوجھ بھی اُٹھانا نہ پڑے؛ بلکہ وہ خود کمائے اور اپنا بوجھ اٹھائے۔

یہ دو چیزیں ہیں جس کو مدنظر رکھتے ہوئے آزادئ نسواں کا مسحور کن نعرہ بلند کیا گیا۔

اگر زمینی سطح پر دیکھا جائے تو دنیا میں کتنے ایسے ممالک ہیں جن میں اعلیٰ مناصب پر خواتین کو فائز کیا گیا؟ معدودے چند کہ جو مَردوں کے تناسب میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے، اس سے معلوم ہوا کہ مقصد خواتین کی ترقی نہیں؛ بلکہ ترقی کا جھانسہ دے کر انھیں گھروں سے نکالنا اور سرعام بے عزت کرنا ہے۔

یوروپ اور اس کی فکر سے متاثر ممالک کے اندر اس غیر فطری سوچ اور بے دینی رجحان کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج وہاں خاندانی نظام مکمل طور پر تباہ وبرباد ہو چکا ہے، سارا دن گھروں پر تالے پڑے ہوتے ہیں، شوہر بیوی کمانے کی غرض سے باہر ڈیوٹی میں مگن ہیں، تو بچے نرسری میں پڑے ہوئے ہیں، گھریلو زندگی کی خوشیاں ماں باپ کا پیار انھیں کہاں نصیب ہے؟ کسی کے پاس کسی کے لیے وقت ہی نہیں بچا ہے، ایسا لگتا ہے گویا کہ کسبِ معاش ہی انسانی زندگی کا مقصد ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں، اللہ اس طرح کے ماحول سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔

بدعت کی حقیقت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ازقلم:
شیخ عتیق الرحمٰن قاسمی
بتحفظ سنت دارالعلوم دیوبند

الحمدللہ اسلام ایک واضح اور صاف ستھرا دین ہے جس کی تعلیمات اور احکام ومسائل روشن دین کی طرح عیاں وبیاں ہے؛ مگر اسلام کے نام لیواؤں میں سے پیر پرستوں، بدعتیوں نے اس صاف ستھرے دین کو جہاں غیر مسلموں کی نظر میں بدنام کیا ہے، وہیں عام مسلمانوں پر بھی اسے شکل بنادیا ہے جو اصل دین ہے اسے چھوڑ کر، ان بدعتیوں نے دین میں نئی نئی بدعات وخرافات گھڑ لیے اور ان پر سختی سے عمل کیا اور عوام کو باور کرایا کہ یہی اصل دین ہے، جو اس پر عمل کرتا ہے وہ اصل سنی ہے اور جو عمل نہیں کرتا وہ بدعقیدہ ہے، مرتد اور نبی کا گستاخ ہے، العیاذ باللہ۔

کس قدر حیرانی وتعجب کی بات ہے کہ اصل دین کو پسِ پشت ڈال دیا گیا؛ بلکہ اصل دین پر عمل کرنے والوں کو باغی، مرتد، گستاخ اور بدعقیدہ کہا جاتا ہے اور دین کے نام نئی نئی بدعات کو اصل دین سمجھا جاتا اور بدعتی خود کو اصل سنی کہتا ہے۔ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اسلام کے لیے خطرات، خدشات اور نقصانات کی بات کی جائے تو جو یہود ونصاریٰ نہیں کرسکے وہ ان بدعتیوں نے اسلام کے لیے خطرات پیدا کیے اور دین میں نت نئی بدعات رواج دے کر دینِ اسلام کے اصل چہرہ کو مسخ کیا۔ کفار ومشرکین مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ بدعتی اصل اسلام کو نقصان پہنچارہے ہیں، اس لحاظ سے بدعتی اسلام کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اسی خطرہ کا احساس کرکے آج سادہ لوح

مسلمانوں کو سلیس انداز میں بدعت سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں؛ تاکہ ان پر بدعت کی حقیقت منکشف رہے اور شاید کسی بدعتی کو بھی سمجھ آجائے یا کم از کم خود کو نقصان سے بچائے۔

بدعات کی ایک لمبی فہرست ہے، اُن سب کا نام گنانا مشکل ہے، چند بدعات بہت مشہور ومعروف ہیں جن سے بدعتیوں کی اصل پہچان ہوتی ہے اُن کو بتا کر ان کی حقیقت بتانے کی کوشش کروں گا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان نبی کا نام آنے پر انگوٹھا چومتے ہیں، اذان سے پہلے خودساختہ درود پڑھتے ہیں، فاتحہ خوانی کرتے ہیں، میلاد مناتے ہیں، مزارات پر عرس و میلے لگاتے ہیں، قبروں پر پھول و چادر چڑھاتے ہیں، وہاں اذان دیتے ہیں، ان کا طواف کرتے، سجدہ کرتے اور وہاں نماز وقرآن پڑھتے ہیں، اسی طرح تعزیہ، منانا مَردوں کو پکارنا، غیراللہ کا وسیلہ اختیار کرنا، غیراللہ کی نذر ماننا، قل، تیجہ، ساتا، دسواں، اکیسواں، چہلم اور گیارہویں منانا وغیرہ ان بدعتیوں کے امتیازی اعمال وافعال ہیں۔ یہ سب اعمال اور ان جیسے سیکڑوں اعمال دین کے نام پر بدعتیوں کی طرف سے ایجاد کرلیے گئے ہیں، ان ہی کو دین سمجھا جاتا ہے، اسی کے گرد اُن کی زندگی گھومتی ہے اور یہی سب کچھ کرتے کرتے بدعتیوں کی موت آجاتی ہے۔

اب ہم چند بدعات پر دلائل کی روشنی میں نظر ڈالیں گے

قیام کی دلیلیں اور اُن کا جواب

بچپن سے ایک بات سنتے سنتے یا ایک کام کرتے کرتے عادت بن جاتی ہے اور عادت کو انسان عبادت سمجھنے لگتا ہے اور پھر اس کو مذہب کے دائرے میں لے لیتا ہے، پھر اس کو عقیدہ بنالیتا ہے، ایسے آدمی کو توبہ کی توفیق بڑی مشکل سے ہوتی ہے؛ حالانکہ وہ چیز ایک رسم یا رواج ہوتی ہے مذہب نہیں ہوتی۔

ہمارا مذہب کتابی ہے رواجی نہیں جو کچھ ہوگا قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوگا اور اسی کے اُوپر علماءِ حق کا فتویٰ ہوگا۔

دلیل نمبر(۱): قرآنِ کریم کے چھبیسویں پارہ میں سورۂ فتح کے پہلے رکوع میں آیت نمبر ۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو''۔

یہ لوگ جو مجلس میلاد میں نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کو آتی ہوئی سمجھ کر قیام کرتے ہیں اور دلیل اِس آیت سے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کو حکم فرما رہا ہے کہ میرے نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرو، مجلس میلاد میں کھڑے ہونے کے لیے یہ دلیل بالکل بے اصل ہے؛ کیونکہ تعظیم سے مراد کھڑا ہونا نہیں ہے، اگر اس آیت سے کھڑا ہونا ہی مراد ہے جب تو مجلس میلاد میں سلامی کے وقت کھڑا ہونا مستحب یا مستحسن نہ ہوگا؛ بلکہ واجب یا فرض ہوگا اور واجب یا فرض کو ترک کرنا سخت گناہ ہے، تو اس دلیل سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو حضور ﷺ کے تشریف لانے پر کھڑے نہ ہوتے تھے وہ بھی سخت گناہ گار ہوئے، اللہ کی پناہ!

اور حضور ﷺ نے جو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعظیم کے لیے کھڑے ہونے سے جو منع فرمایا ہے وہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے گویا حضور ﷺ نے بھی خدا کے حکم کے خلاف اپنا حکم جاری کیا، اللہ کی پناہ! یا تو پھر حضور ﷺ قرآنِ مجید کو سمجھتے ہی نہ تھے اللہ کی پناہ! اور نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ سکے اللہ کی پناہ! بلکہ اس زمانہ میں قرآن مجید کو سمجھنے والے یہ جیب بھرو پیر اور پیٹ بھرو مولوی پیدا ہوئے؟ جہالت کی بھی کوئی حد ہے۔

میرے عزیز! ایسا نہیں ہے؛ بلکہ تعظیم وتوقیر سے مراد یہ ہے کہ اس کے دین کی اعانت کرو، تعظیم سے مراد دین کی پابندی اور (دین کی) مدد ہے''۔

(تفسیر حقانی: ج/۶، ص/۲۸۸)

دلیل نمبر(۲): مجلسِ میلاد میں کھڑے ہونے کی دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ

ہم تعظیم سمجھ کر کھڑے نہیں ہوتے ؛ بلکہ ثواب کی نیت سے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ دلیل بھی بے اصل ہے؛ کیونکہ ثواب کا ملنا یقیناً اس وقت ہوگا جب قرآن وحدیث سے ثابت ہو، اگر ثبوت نہیں ہے تو عقلی دلیلیں بے کار ہیں۔

یقین کرو کہ جتنی باتیں تم خیال وگمان اور وہم وقیاس اور اٹل یا اندازے سے اپنے خزانے میں بھرتے ہو تو وہ کنکر اور روڑے ہیں تم چاہے اسے موتی سمجھو۔

(حوالہ فتاویٰ عالمگیری: ج/۱،ص/۵)

میرے عزیزو! تعظیم کے لیے کھڑا ہونا اگر ثواب تھا تو پھر نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تعظیم کے لیے کھڑے ہونے سے کیوں منع فرمایا، گویا آپ ﷺ نے بھی فرض کو ترک کیا؟ نعوذ باللہ منہا! بلکہ صحیح یہی ہے کہ مجلسِ میلاد میں کھڑا ہونا بے اصل ہے۔

دلیل نمبر (۳): مجلسِ میلاد میں تعظیم کے لیے کھڑے ہونے والے تیسری دلیل وہ پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری شریف میں ہے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ: بنی قریظہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر اُتر آئے، تو رسولِ کریم ﷺ نے کسی کو سعد رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، سعد رضی اللہ عنہ گدھے پر بیٹھے ہوئے تشریف لائے، جب مسجد کے قریب پہنچے تو رسولِ خدا ﷺ نے انصار سے کہا اپنے سردار یا اپنے بزرگ کی طرف کھڑے ہو (اور انہیں اُتارلو) پھر سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ کافر تیرے حکم پر اُترے ہیں (تو تم کیا حکم دیتے ہو؟) سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جو کافر مسلمان سے لڑیں انہیں مار دیا جائے اور ان کی اولاد قید کر دی جائے، رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: تُو نے بموجب حکمِ خدا حکم دیا۔

(صحیح بخاری: ج/۱،ص/ ۶۶۳، مظاہر حق: ج/ ۴،ص/ ۶۴ قیام کا بیان)

مجلسِ میلاد میں قیام کرنے والے تیسری دلیل میں یہی پیش کرتے ہیں کہ اگر تعظیم کے لیے کھڑا ہونا منع تھا تو پھر نبی ﷺ نے انصار کو ان کے سردار حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہونے کا حکم کیوں فرمایا۔

اس حدیث کا مطلب یہ لوگ سمجھ نہیں سکے۔

بنوقریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، حضرت رسولِ کریم ﷺ نے بعد فتح خندق کے بنوقریظہ کی دغابازی کے سبب پچیس (۲۵) روز تک ان کو قلعہ میں گھیرے رکھا پھر جب وہ لوگ صلح کرنے پر اُتر آئے تو یہودیوں نے کہا کہ ہمارا فیصلہ سعد (رضی اللہ عنہ) کریں گے، تو حضور ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے کسی ایک شخص کو بھیجا، جب سعد رضی اللہ عنہ گدھے پر بیٹھ کر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے انصار سے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کی طرف، یہ اس لیے فرمایا تھا کہ سعد رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں زخمی ہو گئے تھے اور زخموں سے اس روز خون کا بہنا بند ہوا تھا تو حضور ﷺ نے کھڑے ہونے کا حکم اسی لیے فرمایا تھا کہ تم لوگ کھڑے ہو کر سعد (رضی اللہ عنہ) کو آہستہ سے سواری پر سے اُتار لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود گدھے پر سے اُتریں اور پھر خون زخموں سے بہنا شروع ہو جائے (اور اسی حدیث کی شرح میں یہ بھی لکھا ہے کہ) حضور ﷺ نے ختم زندگی تک قیام (یعنی کھڑے ہونے) کو مکروہ سمجھا ہے۔

(مظاہر حق: ج ر ۴، ص ر ۶۴ قیام کا بیان)

میرے عزیز دوستو! مسلمانوں کے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ حضور ﷺ نے جب حیاتِ طیبہ میں قیام کو پسند نہیں فرمایا تو بعد وفات کے قیام کیسے پسند ہو سکتا ہے؟ پھر بھی ہم نہ مانیں تو یہ ہماری جہالت ہے، شریعت میں تو اس کی کوئی اصل نہیں؛ بلکہ ممانعت ثابت ہے۔

بعض علماء کے نزدیک قیام سنت ہے؛ مگر ثابت یہ ہوا کہ مکروہ ہے۔

(مظاہر حق: ج ر ۱، ص ر ۶۴)

شریعت میں تو صاف مکروہ لکھا ہے اور مکروہ سے مراد مکروہِ تحریمی ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے اور جو لوگ جائز بتلاتے ہیں وہ حقیقت میں بے سمجھے بوجھے اپنی جہالت پر اَڑے ہوئے ہیں جن میں سے زیادہ نفس پرست ہی ہوتے ہیں جو جاہلوں کا دل بہلانے کے لیے جائز کہتے ہیں؛ تاکہ اپنا نباہ ہو سکے۔

مدعیانِ علمِ غیب کے دلائل اوران کا جواب

مفتی احمد یار خاں ''جاء الحق'' میں اپنے عقیدے کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۂ آلِ عمران، آیت:۱۷۹)

''اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تم کو غیب کا علم دے، ہاں! اللہ چُن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے''۔

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے: خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علمِ غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اُس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لیے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے، پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیوب کی ان کو خبر دیتا ہے یا ان کے لیے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔

تفسیر خازن میں ہے: لیکن اللہ چُن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے ان کو خبردار کرتا ہے بعض علمِ غیب پر۔

اس آیتِ کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علمِ غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد علمِ الٰہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ما کان و ما یکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔ (جاء الحق: ص/۴۸-۴۹)

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی والہام کے ذریعہ غیب کی باتوں پر مطلع فرماتے ہیں؛ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت تک کہ ذرّہ ذرّہ کا کسی نبی کو تفصیلی علم دے دیا گیا ہو۔

نیز مفسرینِ کرام کی جو عبارتیں خان صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں اُن میں سے ایک سے بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا اور بعض غیب کا صاف اور واضح مفہوم بعض جزئیات کا علم ہے نہ کہ اللہ کے علم کا بعض۔

دوسری دلیل: احمد یار خان ''جاء الحق'' میں لکھتے ہیں:

﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾

(سورۂ جن، آیت:۲۶-۲۷)

''تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے''۔

(جاء الحق: ص/۵۵)

اس کے بعد تفسیر کبیر، تفسیر عزیزی، خازن اور روح البیان کی عبارتیں جو ان کے مدعا کے سراسر خلاف ہیں نقل کر کے لکھتے ہیں:

''اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علمِ غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا، اب کیا شئ ہے جو علمِ مصطفیٰ ﷺ سے باقی رہ گئی''۔ (جاء الحق: ص/۵۶)

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اسی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۝﴾

(سورۂ جن، آیت:۲۵)

''آپ فرما دیجیے کہ مَیں نہیں جانتا کہ آیا نزدیک ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یا میرے رب نے اس کے لیے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے''۔

﴿مَا تُوْعَدُوْنَ﴾ سے بعض مفسرین کے نزدیک ''عذاب'' اور بعض کے نزدیک قیامت مراد ہے، کچھ بھی ہو، کوئی چیز ما کان و ما یکون میں سے ضرور ایسی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس حقیقت کو ظاہر فرما دیں مجھے اس کا علم نہیں ہے پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ بالکل متصل اور پیوستہ یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو سب غیب کی باتیں بتا دی ہیں جن میں عذاب یا قیامت کا علم بھی داخل ہے، پس غیب سے کلی غیب مراد لینا نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے۔

حاضر وناظر کے دلائل اور ان کا جواب

احمد یار خان اپنے عقیدہ کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ (سورۂ احزاب، آیت: ۴۵-۴۶)

''اے غیب کی خبر بتانے والے! بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر وناظر اور خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف سے اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب''۔

''شاہد'' کے معنیٰ گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر وناظر بھی گواہ کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقع پر حاضر ہوتا ہے، حضور ﷺ کو شاہد تو اس لیے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالمِ غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں؛ ورنہ تو سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لیے کہ قیامت میں تمام انبیاء علیہم السلام کی عینی گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی، اسی طرح آپ کا بشیر ونذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کیے۔

مگر سن کر حضور ﷺ نے دیکھ کر اسی لیے معراج صرف حضور ﷺ کو ہوئی، سراجِ منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے، گھر گھر میں موجود آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں، اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور ﷺ کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(جاء الحق: ص ر ۱۳۲)

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب کو اس روشن حقیقت کا بھی علم نہیں کہ آفتاب ہر جگہ نہیں ہوتا؛ بلکہ جہاں دن ہوتا ہے وہیں آفتاب ہوتا ہے اور جہاں رات ہوتی ہے وہاں آفتاب نہیں ہوتا؛ لہٰذا اس سے آپ کا ہر جگہ حاضر وناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ حاضر وناظر کی نفی ہوتی ہے، اسی طرح نبی غیب کی خبر دینے والا ہوتا ہے؛ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قیامت تک وجود میں آنے والی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے؛

کیوں کہ نبی کو غیب کی صرف اپنی جانوں کا علم ہوتا ہے جو وحی والہام کے ذریعہ اللہ نے بتادی ہیں، باقی کو وہ نہ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے اور ''شاہد'' کے معنیٰ حاضر وناظر نہیں ہے؛ بلکہ ''شاہد'' کے معنیٰ ہیں قطعی اور یقینی خبر دینے والا؛ کیونکہ ''شَاهِد'' ''شَهِدَ'' سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ''شَهِدَ'' کے لغت میں کئی معنیٰ بیان کیے گئے ہیں، نجد میں ہے:

''شَهِدَ الْمَجْلِسْ'' کے معنیٰ ہیں حاضر ہونا اور ''شَهِدَ النَّبِيّ'' کے معنیٰ ہیں دیکھنا، باخبر ہونا اور ''شَهِدَ الْجُمُعَة'' کے معنیٰ ہیں جمعہ کو پانا اور ''شَهِدَ عَلٰى كَذَا'' کے معنیٰ ہیں قطعی اور یقینی خبر دینا، پس صفت شاہد ہوگی۔

ان میں سے صرف آخری معنیٰ ہی حضورِ اکرم ﷺ کی شان کے مناسب ہیں؛ کیونکہ یہاں نہ کسی مجلس کا ذکر ہے نہ جمعہ کا تذکرہ ہے نہ کسی دیکھے جانے والی چیز کا بیان ہے؛ بلکہ بشیر ونذیر اور داعی الی اللہ کا وصف خاص بیان کیا جارہا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو قطعی اور یقینی خبر دینے والا بنا کر بھیجا ہے؛ لہٰذا آپ ﷺ کی بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

دوسری دلیل: احمد یار خان نے حضورِ اکرم ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کی دوسری دلیل یہ پیش کی ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۴۳)

''اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہیں''۔

اس آیت میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیائے کرام کی امتیں عرض کریں گی، ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔

انبیائے کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچادیے تھے اور اپنی گواہی کے لیے امتِ مصطفیٰ ﷺ کو پیش کریں گے، ان کی گواہی پر اعتراض ہوتا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا، تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو، یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور ﷺ

نے فرمایا تھا: تب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی لی جائے گی، آپ دو گواہیاں دیں گے: ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی دوسرے یہ کہ میری امت والے قابل گواہی ہیں، بس مقدمہ ختم۔ انبیائے کرام کے حق میں ڈگری اگر حضور ﷺ نے گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشمِ حق بیں سے ملاحظہ نہیں فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوتی جیسی کہ امت کی گواہی ہر جرح ہوئی تھی، معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی، اس سے آپ ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔

(جاء الحق: ص/ ۱۳۳)

جواب: اس استدلال کا سارا مدار اس بات پر ہے کہ گواہی اس چیز کے بارے میں دی جاسکتی ہے، جس کو آنکھوں سے دیکھا ہو؛ بلکہ اسی غلط فہمی پر ان کے عقیدہ کا مدار ہے؛ اِس لیے اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ کسی چیز کے بارے میں گواہی دینے کے لیے اس کا دیکھنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ معتبر ذرائع سے کسی بات کا پتا چل جائے تب بھی اس کے بارے میں گواہی دی جاسکتی ہے۔ مثلاً ہم پورے یقین کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے بندے ہیں؛ حالانکہ ہم میں سے کسی نے نہ اللہ کو دیکھا ہے، نہ حضور پاک ﷺ کو۔

بیان القرآن میں ہے: تیسرا شبہ یہ ہے کہ جب امتِ محمدیہؐ نے اس واقعہ کو معائنہ نہیں کیا تو اوّل یہ شہادت کیسے دیں گے؟ پھر وہ لوگ اس بنا پر اچھی خاصی جرح کر سکتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ مدار شہادت کا طریقہ صحیح مفید للیقین سے یقین حاصل ہو جاتا ہے؛ چونکہ محسوسات غیر ثابت بالوحی میں وہ طریق منحصر ہے مشاہدہ میں؛ لہٰذا مشاہدہ مدار ہے شہادت کا اور محل نزاع میں گو واقعہ محسوسات سے ہے؛ لیکن ثابت بالوحی ہونے کی وجہ سے بہ واسطہ طریقِ وحی کے اس کا یقین حاصل ہے جو اصل مدار ہے شہادت کا؛ لہٰذا گواہی برمحل ہے اور اس میں مجال جرح کی نہیں جیسے کوئی ڈاکٹر کسی مُردہ کو جس کے بدن پر کوئی ظاہری علامت زخم وغیرہ نہیں ہے دیکھ کر اپنی مہارتِ فن کے ذریعہ سے اظہار دے کہ ہر شخص مرض

سے نہیں مَرا؛ بلکہ کسی ضربِ شدید سے مَرا ہے، اور اس بنا پر قاتل کی تحقیقات کا سرکاری حکم ہوجاتا ہو باوجودیکہ اس مقام پر گواہی ڈاکٹر کی بنا پر معائنہ واقعہ کے نہیں؛ لیکن چونکہ قواعدِ صحیحہ کے ذریعہ سے ضربِ شدید تشخیص کی گئی؛ لہٰذا اس کا اعتبار کیا گیا۔ (بیان القرآن)

اہلِ حق کے دلائل و براہین

تمام اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر وناظر نہیں حتیٰ کہ حضورِ پاک ﷺ بھی حاضر وناظر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ حضورِ اکرم ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات وحالات سے باخبر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۝﴾ (سورۂ قصص: ۴۴)

''آپ (کوہِ طور کی) غربی جانب میں نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا اور نہ آپ مشاہدہ فرمانے والے تھے''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوہِ طور کی غربی جانب جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی آپ ﷺ نہ حاضر تھے نہ ناظر۔

اس طرح سورۂ توبہ جو نزول کے اعتبار سے سب سے آخری سورت ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۖ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ﴾ (سورۂ توبہ: ۱۰۱)

''اور کچھ تمہارے گردوپیش کے گنوار اور کچھ مدینہ والوں میں سے ایسے منافق ہیں جو نفاق پر اَڑے ہوئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں''۔

نیز اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے تفصیلی قصے سے باخبر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝﴾ (سورۂ یوسف:۱۰۲)

''یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں اور آپ ان (برادرانِ یوسف) کے پاس موجود نہ تھے جب انھوں نے اپنا ارادہ پختہ کرلیا تھا وہ تدبیر کررہے تھے''۔

اسی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعات سے حضورِ اکرم ﷺ کو باخبر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝﴾

(سورۂ آلِ عمران:۴۴)

''یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلموں کو (پانی میں اس غرض سے) ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے''۔

غور کیجیے ان آیات میں واقعاتِ مذکورہ کے مواقع پر موجود نہ ہونے کی نفی کتنی وضاحت کے ساتھ کی جارہی ہے؟

براہِ راست اہلِ قبر سے دعا

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ ''مالا بدمنہ'' (ص/۱۰۰) میں فرماتے ہیں: انبیاء، اولیاء کی قبر کی طرف سجدہ کرنا اور قبر کا طواف کرنا اور ان سے دعا چاہنا اور ان کی نذر ماننا حرام ہے؛ بلکہ یہ چیزیں کفر کے قریب کردیتی ہیں اور ''ارشاد الطالبین'' فارسی (ص/۲) میں فرماتے ہیں: غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے اور نہ غیر اللہ سے مدد

چاہنا جائز ہے؛ اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعلیم دی ہے: ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ ''تم میری ہی عبادت کرو اور مجھ سے ہی مدد طلب کرو''، ''اِیَّاكَ'' برائے حصر ہے؛ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی نذر ماننا بھی جائز نہیں ہے۔

مُردے اور زندے اولیاء کو پکارنا جائز نہیں ہے (یعنی مدد چاہنا جائز نہیں) اس لیے کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا: ''اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ'' (دعا چاہنا خدا کی عبادت ہے) بہت سی مرتبہ یہ آیت پڑھتے ہیں: ﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ﴾ اُمورِ عادیہ میں یعنی ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت واختیار میں ہے صرف زندہ شخص سے مدد طلب کرنا درست ہے۔ مثلاً کوئی غریب کسی امیر سے کہے کہ مَیں محتاج ہوں خدا کے واسطے میری مدد کیجیے تو جائز ہے؛ لیکن اُمورِ غیر عادیہ میں یعنی ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت واختیار میں نہیں ہے کسی بھی شخص سے طلب کرنا حرام اور ناجائز ہے چاہے وہ زندہ بزرگ ہو یا فوت شدہ ولی یا نبی ہو، مثلاً کسی ولی یا نبی سے اولاد شفاء اور بارش طلب کرنا یا کسی ولی یا نبی سے بلائیں دُور کرنے کی درخواست کرنا حرام اور شرکِ جلی ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ﴾ (سورۂ یونس:۱۰۶-۱۰۷)

''اور مت پکارو اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ بُرا پھر اگر تو ایسا کرے گا تو تُو بھی اس وقت ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہو جائے گا اور اگر پہنچا دیویں تجھ کو اللہ تعالیٰ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا اس کے سوا اور اگر پہنچانا چاہیں تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو''۔

قبروں کا طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا

جاہل لوگ قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان کو سجدہ کرتے ہیں، آستانوں کو چومتے ہیں، یہ تمام افعال شرکیہ ہیں؛ اِس لیے کہ طواف، سجدہ، رکوع اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں اور شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے جو پوجا کی حد تک پہنچ جائے، آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ پہلی امتیں اسی غلو کی بنا پر گمراہ ہوئی ہیں؛ اِس لیے آپ ﷺ نے اپنی امت کو ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ. (مشکوٰۃ شریف: ص/۶۹)

''البتہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس مرض میں جس سے آپ ﷺ کو افاقہ نہیں ہوا (یعنی مرضِ وفات میں) فرمایا کہ: اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا''۔

نیز نبی کریم ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

أَلَا! وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَاتَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ.

''سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، مَیں تمہیں اس سے روکتا ہوں''۔

ان احادیث کی بنا پر علماءِ اہلِ سنت والجماعت نے قبروں پر سجدہ کرنے کو شرکِ جلی فرمایا ہے، حضرت مُلّا علی قاری ''لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ'' کی شرح میں ارقام

فرماتے ہیں:

سبب لعنهم إما كأنهم كانوا يتخذون لقبور أنبيائهم تعظيمًا لهم وذٰلك هو الشرك الجلي.

''یہود ونصاریٰ کے ملعون ہونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء کی تعظیم کی خاطر ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے اور یہ شرکِ جلی ہے''۔

مجالس الطالبین میں ہے:

من القبائح طلب الحاجة من الموتىٰ ولإستعانة بهم والتوجه إليهم ليشفعوا. انتهىٰ

''مُردوں سے حاجت طلب کرنا اور ان سے استعانت اور ان کی طرف توجہ کرنا؛ تاکہ وہ سفارش کریں یہ بھی امر قبیح ہے''۔ (الجنۃ لاہل السنۃ: ص/ ۱۵)

غیر اللہ کو پکارنے کی پانچ صورتیں اور ان کے احکام

غیر اللہ کو پکارنے کی یعنی ''یارسول اللہ'' اور ''یاغوث'' کہنے کی پانچ (۵) صورتیں ہیں اور سب کے احکام علاحدہ علاحدہ ہیں؛ اِس لیے ذیل میں غیر اللہ کو پکارنے کی پانچ صورتیں اور ان کے احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلی صورت: یہ شعراء اپنے تخیل میں جس طرح کبھی بادِ صبا کو خطاب کرتے ہیں اور کبھی پہاڑوں اور جنگلوں کو کبھی حیوانات کو خطاب کرتے ہیں؛ مگر ان میں کسی کا عقیدہ یہ نہیں ہوتا کہ جن کو وہ خطاب کر رہے ہیں وہ ان کی بات کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں؛ بلکہ یہ ایک ذہنی پرواز ہوتی ہے، اسی طرح شعراء کے کلام میں آنحضرت ﷺ کو یا بزرگانِ دین کو تخیلاتی طور پر جو خطاب کیا جاتا ہے وہ شرعاً درست اور جائز ہے اور اس کے جواز میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔

دوسری صورت: جس طرح عشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں اسی طرح

آنحضرت ﷺ کو محض اظہارِ محبت کے لیے خطاب کیا جائے بشرطیکہ عقیدہ میں بگاڑ نہ ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

تیسری صورت: اگر کوئی شخص ''اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ'' کے صیغہ سے درود شریف پڑھتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کے فرشتہ اس درود کو بارگاہِ رسالت میں پہنچاتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلَّ عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ'' (مشکوٰۃ: ص/۸۷)

چوتھی صورت: یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر مواجہ شریف میں کہے: ''اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!'' تو یہ خطاب اور ندا نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ مستحب ہے۔

پانچویں صورت: اس نیت سے ''یارسول اللہ!'' کہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی بات ہر جگہ سنتے ہیں اور مصیبت کو دُور فرماتے ہیں اِسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی حاضر و ناظر ہیں اور ہر شخص کی فریاد سنتے ہیں اور اس کی مصیبت دُور فرماتے ہیں، تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔

مولانا حسین خباز رحمۃ اللہ علیہ ''مفتاح القلوب'' میں فرماتے ہیں: ''مُردوں کو ندا لگانا اور ان کو حاضر جاننا یہ کلماتِ کفر میں سے ہے''۔

اللہ ان تمام بداعتقادیوں سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

❑❖❑